ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ آل عمران (مسلسل)

آیات ۴۴ تا ۴۶

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۙ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾﴾

و ح ی

وَحَی (ض) وَحْیًا : پوشیدہ پیغام بھیجنا' الہام کرنا۔

وَحْیٌ (اسم ذات) : پوشیدہ پیغام' الہام' وحی۔ ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا﴾ (الشوریٰ: ۵۱) ''اورنہیں ہے کسی بشر کے لیے کہ کلام کرے اس سے اللہ مگر الہام سے یا پردے کے پیچھے سے' یا وہ بھیجے ایک پیغامبر (یعنی فرشتہ)۔''

اَوْحٰی (افعال) اِیْحَاءً : پوشیدہ پیغام بھیجنا' الہام کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔ (یہ ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہے لیکن قرآن مجید میں یہ افعال ثلاثی مجرد سے نہیں بلکہ باب افعال سے آئے ہیں)۔

ک ھ ل

کَھَلَ (ف) کُھُوْلًا : ادھیڑ عمر کا ہونا۔

كَهْلٌ :ادھیڑعمری کا زمانہ۔آیت زیرِمطالعہ۔

ترکیب :''ذٰلِكَ'' مبتدأ ہے'اس کی خبر''اَنْبَاءٌ'' محذوف ہے۔''مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ'' قائم مقام خبر ہے۔''نُوْحِيْهِ'' جملہ فعلیہ ہے اور''ذٰلِكَ'' کی خبر ثانی ہے۔''اِلَيْكَ'' متعلق خبر ہے۔''اِسْمُهٗ'' مبتدأ ہے اور''اَلْمَسِيْحُ'' اس کی خبر ہے' جبکہ''عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ'' بدل ہے''اَلْمَسِيْحُ'' کا۔''وَجِيْهًا'' اور ''كَهْلًا'' حال ہیں۔

ترجمہ:

ذٰلِكَ : یہ	مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ :غیب کی خبروں میں سے ہے
نُوْحِيْهِ : ہم وحی کرتے ہیں اس کو	اِلَيْكَ : آپؐ کی طرف
وَمَا كُنْتَ : اور آپؐ نہیں تھے	لَدَيْهِمْ :ان کے پاس
اِذْ : جب	يُلْقُوْنَ :وہ ڈالتے تھے
اَقْلَامَهُمْ : اپنے قلم	اَيُّهُمْ :(کہ) ان میں سے کون
يَكْفُلُ : کفالت کرے گا	مَرْيَمَ :مریم کی
وَمَا كُنْتَ : اور آپؐ نہیں تھے	لَدَيْهِمْ :ان کے پاس
اِذْ : جب	يَخْتَصِمُوْنَ:وہ لوگ ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے
اِذْ قَالَتِ : جب کہا	الْمَلٰٓئِكَةُ :فرشتوں نے
يٰمَرْيَمُ : اے مریم	اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ
يُبَشِّرُكِ : بشارت دیتا ہے آپ کو	بِكَلِمَةٍ :ایک فرمان کی
مِّنْهُ : اپنی طرف سے	اسْمُهُ :اس کا نام
الْمَسِيْحُ : مسیح ہے	عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ : جو عیسیٰ ابن مریم ہیں
وَجِيْهًا : بلند رتبہ ہوں گے	فِى الدُّنْيَا : دنیا میں
وَالْاٰخِرَةِ : اور آخرت میں	وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ :اور (وہ ہوں گے) مقربین میں سے
وَيُكَلِّمُ : اور وہ کلام کریں گے	النَّاسَ :لوگوں سے
فِى الْمَهْدِ : گہوارے میں	وَكَهْلًا :اور ادھیڑ عمر ہوتے ہوئے
وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ : اور (وہ ہوں گے) صالحین میں سے	

نوٹ : یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو معجزوں کا ذکر ہے۔ایک یہ کہ وہ گہوارے میں لوگوں سے کلام

کریں گے۔ دوسرا یہ کہ ادھیڑ عمری کی حالت میں کلام کریں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ دودھ پیتے بچے کا کلام کرنا تو معجزہ ہے، لیکن ادھیڑ عمری میں تو ہر شخص کلام کرتا ہے۔ اس کو معجزے کے طور پر بیان کرنے کا کیا مطلب ہے؟ —— یہ بات سب مانتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق پھانسی دیے جانے کے وقت اور اسلامی عقیدے کے مطابق آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیان تھی۔ اس طرح وہ ادھیڑ عمر کو پہنچے ہی نہیں۔ اب یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں اور ادھیڑ عمر کو پہنچیں۔ اس لیے جس طرح ان کا بچپن کا کلام معجزہ تھا اسی طرح ادھیڑ عمری کا کلام بھی معجزہ ہوگا۔ (معارف القرآن سے ماخوذ)

آیات ۴۷، ۴۸

﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾﴾

ترکیب: ''یُعَلِّمُہٗ'' کا فاعل اس میں ''ھُوَ'' کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جبکہ ضمیر مفعولی ''ہٗ'' حضرت عیسیٰؑ کے لیے ہے اور یہ ''یُعَلِّمُ'' کا مفعول اوّل ہے۔ ''اَلْکِتٰبَ'' سے ''وَالْاِنْجِیْلَ'' تک مفعول ثانی ہیں۔

ترجمہ:

قَالَتْ: (بی بی مریم نے) کہا	رَبِّ: اے میرے ربّ
اَنّٰی: کہاں سے	یَکُوْنُ: ہوگا
لِیْ: میرے لیے	وَلَدٌ: کوئی لڑکا
وَّ: اس حال میں کہ	لَمْ یَمْسَسْنِیْ: چھوا ہی نہیں مجھ کو
بَشَرٌ: کسی بشر نے	قَالَ: (فرشتے نے) کہا
کَذٰلِکِ: اسی طرح ہی	اللّٰہُ: اللہ
یَخْلُقُ: پیدا کرتا ہے	مَا: اس کو جس کو
یَشَآءُ: وہ چاہتا ہے	اِذَا: جب کبھی
قَضٰی: وہ فیصلہ کرتا ہے	اَمْرًا: کسی کام کا
فَاِنَّمَا: تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	یَقُوْلُ: وہ کہتا ہے

لَهٗ : اس سے	كُنْ : تو ہو جا
فَيَكُوْنُ : پس وہ ہو جاتا ہے	وَيُعَلِّمُهُ : اور وہ علم دے گا انؑ کو
الْكِتٰبَ : کتاب کا	وَالْحِكْمَةَ : اور حکمت کا
وَالتَّوْرٰىةَ : اور تورات کا	وَالْاِنْجِيْلَ : اور انجیل کا

نوٹ (۱) : ''كُنْ فَيَكُوْنُ'' کا ہم لوگوں کے ذہن میں تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم دیتا ہے تو وہ پلک جھپکتے ہی فوراً ہو جاتا ہے' جبکہ ''فَيَكُوْنُ'' کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس کا مطلب بس اتنا ہے کہ وہ ہو جاتا ہے' خواہ فوری طور پر ہو یا کچھ وقت لگے۔ اب نوٹ کر لیں کہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ عالمِ امر میں اس کے احکام کی تعمیل فوری ہوتی ہے' جبکہ عالمِ خلق میں تدریج کا اصول کارفرما ہے اور یہاں وقت لگتا ہے۔ مثال کے طور پر کسان جب زمین میں بیج ڈالتا ہے تو کچھ بیج نہیں پھوٹتے' کیونکہ انہیں حکم نہیں ملا۔ یہ وہ بیج ہیں جو ضائع ہو گئے۔ لیکن جن بیجوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہو جاتا ہے کہ ''كُنْ'' یعنی تو درخت ہو جا' تو ان کے اندر اس کیمیائی تبدیلی کا عمل فوری طور پر شروع ہو جاتا ہے' جس کے نتیجے میں بیج پھوٹتا ہے۔ یہ عالمِ امر ہے اور یہاں حکم کی تعمیل فوری ہے۔ لیکن کیمیائی تبدیلی کے نتیجے میں بیج کا پھوٹنا' اکھوے کا نکلنا' پودا بننا' پھر درخت بننا اور پھل آنا' یہ سب عالمِ خلق ہے۔ اس میں وقت لگتا ہے اور یہاں تدریج کا اصول کارفرما ہے۔

نوٹ (۲) : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تورات اور انجیل کی تعلیم دینے کا مطلب تو واضح ہے۔ لیکن یہاں ''الْكِتٰبَ'' اور ''الْحِكْمَةَ'' کی تعلیم دینے سے کیا مراد ہے' اس ضمن میں آراء مختلف ہیں۔ میرا ذہن شیخ الہندؒ کی رائے کو ترجیح دیتا ہے کہ کتاب و حکمت سے مراد قرآن و سنت ہے' کیونکہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ اس دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور قرآن و سنت کے مطابق احکام دیں گے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ انہیں قرآن و سنت کی تعلیم بھی دی جائے۔

آیت ۴۹

﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾﴾

ط ی ن

طَانَ (ض) طَيْنًا : گارے سے دیوار لیپنا۔

طِیْنٌ (اسم ذات) : گارا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ھ ی ء

ھَاءَ (ض) ھَیْئَۃً : خوش شکل ہونا۔

ھَیْئَۃٌ (اسم ذات بھی ہے) : شکل‘ حلیہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ھَیَّءَ (تفعیل) تَھْیِئَۃً : کسی کو شکل دینا‘ یعنی کسی کام کا سامان مہیا کرنا‘ اسباب پیدا کرنا۔ ﴿وَیُھَیِّیْٔ لَکُمْ مِّنْ اَمْرِکُمْ مِّرْفَقًا﴾ (الکھف) ''اور وہ اسباب پیدا کرے گا تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی کے۔''

ھَیِّیْٔ (فعل امر) : تو سامان فراہم کر‘ تو اسباب پیدا کر۔ ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّیْٔ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ (الکھف) ''اے ہمارے ربّ! تو عطا کر ہم کو اپنے خزانے سے کچھ رحمت اور تو اسباب پیدا کر ہمارے لیے ہمارے کام میں بھلائی کی راہ کے۔''

ن ف خ

نَفَخَ (ن) نَفْخًا : پھونک مارنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

نَفْخَۃٌ (اسم ذات) : پھونک۔ ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَۃٌ وَّاحِدَۃٌ﴾ (الحاقّۃ) ''پھر جب پھونکی جائے گی صور میں پہلی پھونک۔''

ک م ھ

کَمِہَ (س) کَمْھًا : اندھا ہونا۔

اَکْمَہُ (افعل التفضیل) : زیادہ اندھا‘ یعنی پیدائشی اندھا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ب ر ص

بَرِصَ (س) بَرَصًا : برص کا مریض ہونا۔

اَبْرَصُ (افعل التفضیل) : برص کا پرانا مریض‘ کوڑھی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ذ خ ر

ذَخَرَ (ف) ذُخْرًا : وقتِ ضرورت کے لیے جمع کرنا۔

اِدَّخَرَ (افتعال) اِدِّخَارًا : مستقبل کے لیے اہتمام سے جمع کرنا‘ ذخیرہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''رَسُوْلًا'' سے پہلے اگر ''یَبْعَثُ'' کو محذوف مانیں تو ''رَسُوْلًا'' اس کا مفعول ثانی ہے‘ اور اگر ''یَکُوْنُ'' کو محذوف مانیں تو ''رَسُوْلًا'' اس کی خبر ہے۔ دوسری صورت زیادہ قرین قیاس ہے۔ اسی طرح ''اَنِّیْ'' سے پہلے ''وَیَقُوْلُ'' محذوف ہے۔ ''تَدَّخِرُوْنَ'' مادہ ''ذ خ ر'' سے باب افتعال میں جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے۔ یہ اصلاً ''تَذْتَخِرُوْنَ'' تھا۔ پھر قاعدے کے مطابق افتعال کی ''تا'' کو

''ذ'' میں تبدیل کر کے ادغام کیا تو ''تَدَّخِرُوْنَ'' ہوا' اور یہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ پھر 'ذ' کو 'د' میں تبدیل کرنا قرآن مجید کی خصوصیت ہے۔

ترجمہ:

وَرَسُوْلًا : اور (وہ ہوں گے) ایک رسول	اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ : بنواسرائیل کی طرف
اَنِّیْ : (وہ کہیں گے) کہ میں	قَدْ جِئْتُکُمْ : آیا ہوں تمہارے پاس
بِاٰیَةٍ : ایک نشانی کے ساتھ	مِّنْ رَّبِّکُمْ : تمہارے ربّ کی طرف سے
اَنِّیْٓ اَخْلُقُ : کہ میں بناتا ہوں	لَکُمْ : تمہارے لیے
مِّنَ الطِّیْنِ : گارے سے	کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ : پرندوں کی شکل جیسا
فَاَنْفُخُ : پھر میں پھونکتا ہوں	فِیْهِ : اس میں
فَیَکُوْنُ : تو وہ ہو جاتا ہے	طَیْرًا : اڑنے والا
بِاِذْنِ اللّٰهِ : اللہ کی اجازت سے	وَاُبْرِئُ : اور میں شفا دیتا ہوں
الْاَکْمَهَ : پیدائشی اندھے کو	وَالْاَبْرَصَ : اور کوڑھی کو
وَاُحْیِ : اور میں زندہ کرتا ہوں	الْمَوْتٰی : مُردوں کو
بِاِذْنِ اللّٰهِ : اللہ کی اجازت سے	وَاُنَبِّئُکُمْ : اور میں بتا دیتا ہوں تم لوگوں کو
بِمَا : وہ' جو	تَاْکُلُوْنَ : تم لوگ کھاتے ہو
وَمَا : اور وہ' جو	تَدَّخِرُوْنَ : تم لوگ ذخیرہ کرتے ہو
فِیْ بُیُوْتِکُمْ : اپنے گھروں میں	اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ : بے شک اس میں
لَاٰیَةً : ایک نشانی ہے	لَّکُمْ : تمہارے لیے
اِنْ کُنْتُمْ : اگر تم لوگ ہو	مُّؤْمِنِیْنَ : ایمان لانے والے

آیات ۵۰'۵۱

﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ وَجِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝۵۰ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝۵۱﴾

ترکیب: ''مُصَدِّقًا'' حال ہے۔ ''بَیْنَ یَدَیْنَ'' میں ''یَدَیْنَ'' مضاف بنا تو نون اعرابی گر گیا اور اس کی مضاف الیہ ''یائے متکلم'' آئی تو یہ ''یَدَیْ یَ'' ہوا۔ پھر دونوں ''یا'' کا ادغام کر کے ''یَدَیَّ'' بنا۔ ''اَطِیْعُوْا'' فعل امر ہے اور ''نِ'' ضمیر مفعولی ''نِیْ'' کا نونِ وقایہ ہے۔ دیکھئے البقرۃ کی آیت ۴۰ کی ترکیب۔

ترجمہ:

وَمُصَدِّقًا: اور تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے	لِّمَا: اس کی جو
بَيْنَ يَدَيَّ: میرے سامنے ہے	مِنَ التَّوْرٰىةِ: تورات میں سے
وَلِاُحِلَّ: اور تاکہ میں حلال کروں	لَكُمْ: تمہارے لیے
بَعْضَ الَّذِىْ: اس کے کچھ کو جو	حُرِّمَ: حرام کیا گیا
عَلَيْكُمْ: تم لوگوں پر	وَجِئْتُكُمْ: اور میں آیا ہوں تمہارے پاس
بِاٰيَةٍ: ایک نشانی کے ساتھ	مِّنْ رَّبِّكُمْ: تمہارے ربّ کی طرف سے
فَاتَّقُوا: پس تم لوگ تقویٰ کرو	اللّٰهَ: اللہ کا
وَاَطِيْعُوْنِ: اور اطاعت کرو میری	اِنَّ اللّٰهَ: یقیناً اللہ
رَبِّىْ: میرا ربّ ہے	وَرَبُّكُمْ: اور تمہارا ربّ ہے
فَاعْبُدُوْهُ: پس تم لوگ بندگی کرو اس کی	هٰذَا: یہ
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ: ایک سیدھا راستہ ہے	

نوٹ: آیات ۴۹ اور ۵۰ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنواسرائیل کے لیے تھی، تمام عالم کے لیے نہیں تھی۔ وہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ شریعت موسوی کی تجدید کے لیے آئے تھے۔ اور یہ کام انہوں نے اُس تورات سے کیا جو اُس زمانے میں یہودیوں کے پاس تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر صورت حال یہ تھی تو پھر ان کا بعض حرام چیزوں کو حلال کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس ضمن میں دو آراء ہیں: ایک یہ کہ شریعت موسوی کے بعض سخت احکام میں نرمی کی، جیسے ایامِ سبت کے احکام بہت سخت تھے، جنہیں نرم کیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ علماءِ یہود کے اختلاف، رہبانیت پسند لوگوں کے تشدد اور جہلاء کے توہم کی وجہ سے شریعت موسوی میں بعض ایسی چیزیں حرام قرار پا گئی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت کی موجود تورات کی سند پر ایسی چیزوں کو دوبارہ حلال کیا۔ آیت ۵۰ میں ماضی مجہول کا لفظ ''حُرِّمَ'' آیا ہے جس سے دوسری رائے کو تقویت ملتی ہے، لیکن پہلی رائے کو بھی غلط قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ میرے خیال کے مطابق اس امکان کو بھی رد نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰؑ نے مذکورہ دونوں کام کیے ہوں۔

آیات ۵۲ تا ۵۴

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴿۵۴﴾﴾

ح س س

حَسَّ (ن) حَسًّا : جڑ سے اکھاڑنا' قتل کرنا۔ ﴿اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ج﴾ (آل عمران:۱۵۲)
''جب تم لوگ قتل کرتے تھے ان کو اس کی اجازت سے۔''

حَسَّ (ض) حِسًّا : حواسِ خمسہ کے ذریعے کسی بات کا پتا چلنا' محسوس ہونا۔

حَسِيْسٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت) : ہلکی اور پست آواز' سرسراہٹ۔ ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ج﴾ (الانبیاء:۱۰۲) ''وہ لوگ نہیں سنیں گے اس کی سرسراہٹ۔''

اَحَسَّ (افعال) اِحْسَاسًا : حواسِ خمسہ کے ذریعے پتا چلانا' احساس کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

تَحَسَّسَ (تفعّل) تَحَسُّسًا: کوشش کر کے پتا چلانا' سراغ لگانا۔

تَحَسَّسْ (فعل امر) : تو سراغ لگا۔ ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ﴾ (یوسف:۸۷) ''اے میرے بیٹو! تم لوگ جاؤ پھر سراغ لگاؤ یوسف کا اور اس کے بھائی کا۔''

م ك ر

مَكَرَ (ن) مَكْرًا : خفیہ تدبیر کرنا' چال چلنا (اچھے اور برے' دونوں مقصد کے لیے آتا ہے)۔ آیت زیر مطالعہ۔

مَكْرٌ (اسم ذات بھی ہے) : تدبیر' چال۔ ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ط﴾ (فاطر:۴۳)
''اور نہیں پڑتی بری چال مگر اپنے اہل پر (یعنی چال چلنے والے پر)۔''

مَاكِرٌ (اسم الفاعل) : تدبیر کرنے والا' چال چلنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترجمہ:

فَلَمَّآ : پھر جب	اَحَسَّ : احساس کیا
عِيْسٰى : عیسیٰؑ نے	مِنْهُمُ : ان لوگوں سے
الْكُفْرَ : انکار کا	قَالَ : (تو) انہوں نے کہا
مَنْ : کون	اَنْصَارِيْٓ : میرا مددگار ہے
اِلَى اللّٰهِ : اللہ کی طرف	قَالَ : کہا
الْحَوَارِيُّوْنَ : حواریوں نے	نَحْنُ : ہم
اَنْصَارُ اللّٰهِ : اللہ کے مددگار ہیں	اٰمَنَّا : ہم ایمان لائے
بِاللّٰهِ : اللہ پر	وَاشْهَدْ : اور آپؑ گواہی دیں

بِاَنَّا : کہ ہم
مُسْلِمُوْنَ : فرماں برداری قبول کرنے والے ہیں

رَبَّنَا : اے ہمارے ربّ
اٰمَنَّا : ہم ایمان لائے

بِمَآ : اس پر جو
اَنْزَلْتَ : تونے اتارا

وَاتَّبَعْنَا : اور ہم نے پیروی کی
الرَّسُوْلَ : ان رسولؑ کی

فَاكْتُبْنَا : پس تو لکھ دے ہم کو
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ : گواہی دینے والوں کے ساتھ

وَمَكَرُوْا : اور ان لوگوں نے چال چلی
وَمَكَرَ : اور تدبیر کی

اللّٰهُ : اللہ نے
وَاللّٰهُ : اور اللہ

خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ : بہترین تدبیر کرنے والا ہے

آیات ۵۵ تا ۵۷

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾﴾

ترکیب: ''مَرْجِعُكُمْ'' مبتدأ مؤخر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس میں ''مَرْجِعٌ'' مصدر بھی ہوسکتا ہے اور اسم الظرف بھی۔ ہم مصدر ہونے کو ترجیح دیں گے۔ ''اُعَذِّبُ'' کا مفعول ''هُمْ'' ہے اور ''عَذَابًا شَدِيْدًا'' مفعول مطلق ہے۔ ''مِنْ نّٰصِرِيْنَ'' کا ''مِنْ'' تبعیضیہ ہے۔

ترجمہ:

اِذْ قَالَ : جب کہا
اللّٰهُ : اللہ نے

يٰعِيْسٰى : اے عیسٰیؑ
اِنِّىْ : بے شک میں

مُتَوَفِّيْكَ : پورا پورا لینے والا ہوں آپؑ کو
وَرَافِعُكَ : اور میں اٹھانے والا ہوں آپؑ کو

اِلَىَّ : اپنی طرف
وَمُطَهِّرُكَ : اور میں نجات دلانے والا ہوں آپؑ کو

مِنَ الَّذِيْنَ : ان لوگوں سے جنہوں نے
كَفَرُوْا : انکار کیا

وَجَاعِلُ :اور میں بنانے والا ہوں	الَّذِيْنَ :ان کو جنہوں نے
اتَّبَعُوْكَ :پیروی کی آپؐ کی	فَوْقَ الَّذِيْنَ :ان سے اوپر جنہوں نے
كَفَرُوْٓا :انکار کیا	اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ :قیامت کے دن تک
ثُمَّ :پھر	اِلَيَّ :میری طرف ہی
مَرْجِعُكُمْ :تم لوگوں کا لوٹنا ہے	فَاَحْكُمُ :تب میں فیصلہ کروں گا
بَيْنَكُمْ :تمہارے مابین	فِيْمَا :اس میں
كُنْتُمْ :تم لوگ	فِيْهِ :جس میں
تَخْتَلِفُوْنَ :اختلاف کرتے تھے	فَاَمَّا الَّذِيْنَ :پس وہ جنہوں نے
كَفَرُوْا :انکار کیا	فَاُعَذِّبُهُمْ :ان کو تو میں عذاب دوں گا
عَذَابًا شَدِيْدًا :ایک شدید عذاب	فِي الدُّنْيَا :دنیا میں
وَالْاٰخِرَةِ :اور آخرت میں	وَمَا لَهُمْ :اور ان کے لیے نہیں ہے
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ :کسی قسم کا کوئی مدد کرنے والا	وَاَمَّا الَّذِيْنَ :اور وہ جو
اٰمَنُوْا :ایمان لائے	وَعَمِلُوا :اور انہوں نے عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ :نیک	فَيُوَفِّيْهِمْ :ان کو تو وہ پورا پورا دے گا
اُجُوْرَهُمْ :ان کے اجر	وَاللّٰهُ :اور اللہ
لَا يُحِبُّ :پسند نہیں کرتا	الظّٰلِمِيْنَ :ظلم کرنے والوں کو

نوٹ :البقرۃ کی آیت ۴۰ کی لغت میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ باب تفعّل میں ''تَوَفّٰی' یَتَوَفّٰی'' کے اصلی معنی ہیں ''پورا پورا لے لینا''۔ پھر اس سے موت دینا مراد لیا جاتا ہے جو کہ اس کے مجازی معنی ہیں۔ اس آیت میں لفظ ''مُتَوَفِّيْ'' آیا ہے' جو اس کا اسم الفاعل ہے۔ اس کے اصلی معنی ہیں پورا پورا لے لینے والا' اور اس کے مجازی معنی ہیں موت دینے والا۔ اس قسم کے الفاظ کے متعلق اصول یہ ہے کہ عبارت یا جملہ میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو کہ ایسے لفظ کے اصلی (حقیقی) معنی لینا ممکن نہ ہو' تب مجازی معنی لیے جاتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو کہ مجازی معنی لینا ضروری ہو۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت نہ ہو تو پھر عام طور پر لفظ کے اصلی (حقیقی) معنی ہی لیے جاتے ہیں۔

آیت زیر مطالعہ میں مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت موجود نہیں ہے۔ اس لیے اصولاً ''مُتَوَفِّيْكَ'' کا اصلی معنی ہی لیا جانا چاہیے۔ اب یہ ایک غیر معمولی بات ہے کہ یہاں ایک ایسا قرینہ موجود ہے جس کی وجہ سے مجازی معنی لینا ممکن نہیں رہتا۔ اور وہ یہ ہے کہ ''اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ'' کے بعد ''وَرَافِعُكَ'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ لفظ ''مُتَوَفِّيْ'' کا معنی مراد' یعنی صاحبِ کلام کا مطلب اگر

''موت دینے والا'' ہوتا تو پھر ''رَافِعُکَ'' کا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس اضافے نے ''مُتَوَفِّی'' کے مجازی معنی کے امکان کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا ہے۔

فعل ''رَفَعَ'' بھی دو معانی میں آتا ہے: (۱) جسمانی طور پر اٹھانا۔ (۲) درجات یا رتبہ کے لحاظ سے بلند کرنا۔ قرآن مجید میں اس کے مختلف صیغے اور مشتقات ۲۹ مقامات پر آئے ہیں' کہیں پہلے اور کہیں دوسرے معنی میں۔ اس ضمن میں نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں اس کے ساتھ ''اِلٰی'' کا صلہ صرف دو مقامات پر آیا ہے' ایک آیت زیر مطالعہ میں اور دوسرا سورۃ النساء کی آیت ۱۵۸ میں۔ دونوں جگہ پر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے آیا ہے اور دونوں جگہ ''اِلٰی'' کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔ اس کی وجہ سے یہ امکان ختم ہو جاتا ہے کہ مذکورہ دونوں مقامات پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رتبہ کی بلندی کا معنی لیا جائے۔ اس لیے اس آیت کا معنیٔ مراد یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے جسم کے ساتھ اللہ نے آسمان میں اٹھایا۔

جو لوگ اس آیت میں لفظ ''مُتَوَفِّی'' کا مطلب ''موت دینے والا'' لیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اُمت کے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کے یہی معنی لیے ہیں۔ یہ بات درست ہے' لیکن انہوںؓ نے آیت کے معنیٔ مراد کو بھی قائم رکھا ہے۔ انہوںؓ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''میں آپؑ کو اپنی طرف اٹھالوں گا' پھر آخر زمانہ میں آپؑ کو طبعی طور پر وفات دوں گا''۔ (درمنثور' ج ۲' ص ۳۶' منقول از معارف القرآن)۔ یعنی آیت کے الفاظ میں تقدیم وتأخیر ہے۔ پہلے ''رَافِعُکَ'' کا وقوع ہوگا اور اس کے بعد ''مُتَوَفِّیکَ'' کا وقوع ہوگا۔ امام رازیؒ نے نشاندہی کی ہے کہ بعض مصلحتوں کے تحت قرآن کریم میں اس طرح کی تقدیم وتأخیر بکثرت آئی ہے کہ جو واقعہ بعد میں ہونے والا تھا اس کو پہلے اور پہلے ہونے والے واقعہ کو بعد میں بیان فرمایا (تفسیر کبیر' ج ۲' ص ۴۸۱' منقول از معارف القرآن)۔ آیت زیر مطالعہ میں تقدیم وتأخیر کس مصلحت سے کی گئی ہے' اس کی وضاحت معارف القرآن میں دی ہوئی ہے۔ خواہش مند حضرات وہاں سے مطالعہ کر لیں۔

اس طرح آیت زیر مطالعہ اور سورۃ النساء کی آیت ۱۵۸ نص صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی طور پر آسمان میں اٹھایا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے دنیا میں واپس آنے کی سند بھی آیت زیر مطالعہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک سو سے زائد احادیث میں مختلف پیرائے میں جو خبریں دی گئی ہیں ان کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی اور ان کی واپسی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو جاتی ہے۔ ○○